مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش

احوال و آثار

از:۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد غضنفر علی وڑائچ

صدر شعبہ فارسی، گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور

ISSN 1991- 699X

مجلۂ تحقیق

کلیۂ علوم شرقیہ کا سہ ماہی تحقیقی مجلہ

جلد ۳۶، شمارہ ۹۸، جنوری - مارچ ۲۰۱۵ء

مدیر

پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد

کلیۂ علوم شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی

لاہور، پاکستان

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 36, Sr.No.98, 2015, pp 05 - 20

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۶، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۵ء، شمارہ ۹۸

مرتضیٰ خان میکش احوال و آثار

پروفیسر ڈاکٹر محمد غضنفر علی وڑائچ ☆

Abstract:
Murtaza Ahmad Kahn was born in 1899. His forefathers came from Afghanistan and he belonged to Muhammad Zai Durrani tribe. They settled in a village near Jalandar, present day India. He is one of the heroes of our resent history. In this article a brief description of his life and work has been given and analyzed.

Key words: Murtaza Khan Maikash, Life, Works, Recent History of Muslim India, Analysis

صاحب ''فارسی گویان پاکستان'' جلد اول (گرامی تا عرفانی) کے مطابق:

''مرتضیٰ احمد خان بن مرید احمد خان کی ولادت غرہ محرم ۱۳۱۷ ہجری بمطابق ۱۳ مئی ۱۸۹۹ء کو ہوئی''۔ گویا شیر میسور سلطان ٹیپو کی شہادت کے ٹھیک ایک سو سال بعد ایک اور شیر پیدا ہو گیا جو انگریزوں کو للکارنے لگا۔ آپ کے اجداد میں ایک مشہور سردار گل محمد خان ہوئے ہیں۔ آپ کا تعلق افغانوں کے مشہور قبیلے محمد زئی دُرانی سے ہے۔ آپ کے بزرگ ۱۸۰۰ء میں افغانستان سے ہجرت کر کے برصغیر میں آئے اور جالندھر کے نواح میں ''بہدم'' نامی ایک چھوٹے سے گاؤں میں مقیم ہو گئے۔ سردار گل محمد خان کی اولاد و احفاد علم و فضل میں شہرت یافتہ تھی۔ بنا بریں انھوں نے نہ صرف اپنے سکونتی علاقے بلکہ اس کے گرد و نواح میں بھی علم کے پھیلانے میں بہت کوشش و کاوش سے کام لیا۔

☆ صدر شعبہ فارسی، گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور

میکش نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ میٹرک مشن ہائی سکول جالندھر (مشرقی پنجاب انڈیا) سے پاس کرنے کے بعد لاہور کے ایک کالج میں حصول تعلیم میں مصروف رہے۔ ۱۹۲۰ء میں علمائے کرام کی جانب سے ہندوستان کے دارالحرب قرار دیئے جانے پر ایک اسلامی ملک افغانستان کی طرف ہجرت کرنے والے دیگر ہزاروں افراد کی طرح میکش بھی اپنی تعلیم نامکمل چھوڑ کر کابل (افغانستان) چلے گئے۔ اور وہاں آپ نے افغانستان کی آزادی کی جنگ ختم ہو جانے کے باوجود وزیرستان (موجودہ پاکستانی علاقہ) میں انگریزوں کے خلاف لڑنے والے جنگجو محسودی اور وزیری قبائل کے ساتھ مل کر انگریزوں کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں بنفس نفیس شرکت کی۔ آپ کابل سے اردو روزنامہ نکالنے کے خواہاں تھے۔ لیکن کابل کے ناموافق حالات کے باعث ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان جانے والوں کی واپسی شروع ہونے پر آپ نے بھی اخبار نکالنے کا ارادہ ترک کر کے کیمپ (وزیرستان) سے افغانستان کی چھاؤنی ''خدمت'' کو لوٹ گئے اور وہاں سے خفیہ طور پر برطانوی ہند میں داخل ہوئے اور بنوں موجودہ صوبہ سرحد کا ایک شہر کے راستے لاہور پہنچ گئے۔

۱۹۲۱ء میں آپ کے والد گرامی کے اس جہان فانی سے جہان باقی کی طرف کوچ کر جانے کے سبب آپ کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ان مشکلات کے ازالے کے لیے آپ نے ''روزنامہ زمیندار'' میں بیس روپے ماہوار مشاہرے پر بطور مترجم اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا اور اپنی محنت لیاقت اور فطری صلاحیتوں کے باعث جلد ہی دوسرے صحافی کارکنوں پر سبقت لے گئے۔

''روزنامہ زمیندار'' کے مالی مشکلات کا شکار ہو جانے پر یکم اپریل ۱۹۲۷ء کو جب غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک نے ''روزنامہ انقلاب'' کا اجرا کیا تو آپ بھی اس نئے اخبار سے وابستہ ہو گئے۔ اور اسی ''روزنامہ انقلاب'' میں انھوں نے سلسلہ وار مضامین لکھے جو چار اقساط میں مکمل ہوئے میں انھوں نے ''مسلمانوں کا قومی وطن'' کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ شمالی ہند میں جو پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان پر مشتمل ہے اپنی قومی

حکومت کے قیام کو نصب العین قرار دے لیں کیونکہ وقت کے مقتضیات اور مسلمانوں کی آزادی کی خواہشات اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہیں کہ اس حصہ میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے۔ جس کی بنا پر مسلمان اسے نہایت آسانی سے اپنا وطن سمجھ سکتے ہیں۔

A History of the Idea of Pakistan

کے مصنف خورشید کمال عزیز (K.K.Aziz) کے مطابق:

مرتضیٰ خان میکش نے علامہ اقبال سے پہلے ۱۹۲۸ء میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک ایسے جداگانہ آزاد وطن کا نظریہ پیش کیا اور جن صوبوں پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان پر مشتمل آزاد وطن بنانے کا کہا آج موجودہ پاکستان انھی بیان کردہ حدود پر مشتمل ہے۔ (۲)

افغانستان کے سابق بادشاہ غازی امان اللہ خان (۳) کے عہد میں تیسری افغان جنگ لڑی گئی جس کے نتیجہ میں انگریز استعمار افغانستان کی آزادی تسلیم کرنے پر مجبور ہوا اور افغانستان کے داخلی و خارجی معاملات میں بھی دخل اندازی کرنے سے باز رہا۔ اس بنا پر برصغیر کے مسلمان، غازی امان اللہ خان سے یہ توقعات وابستہ کیے ہوئے تھے۔ کہ وہ بھی اُنھیں اسی طرح انگریزوں سے مخلصی و آزادی دلائے گا جس طرح اس سے پہلے احمد شاہ ابدالی، ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کو کچل کر مسلمانوں کی آزادی و نجات کا باعث بنا تھا۔ (۴) بنابریں ایک مخلص مسلم افغانی اور سربرآوردہ صحافی ہونے کے ناطے آپ اس بات کے خواہشمند تھے کہ غازی امان اللہ خان اپنے منصوبوں میں کامیاب و کامران ہوں اور برصغیر کے مسلمانوں کو انگریز استعمار کے شکنجے سے خلاصی مل جائے۔ اس لیے انھوں نے ہمیشہ واضح اور برملا طور پر غازی موصوف کی مکمل کر حمایت کی۔ یورپی ممالک کی ترقی سے متاثر ہو کر غازی موصوف یورپی ترقی کا بچشم خود جائزہ لینے کے لیے عازم یورپ ہوئے اور چند ماہ وہاں مقیم رہ کر یورپی ممالک کے سربراہان مملکت اور وہاں کے دیگر سرکردہ عہدیداروں سے ملاقاتیں کر کے وطن واپس آئے تو ان کی عدم موجودگی میں زہریلے انگریزی پراپیگنڈے سے صورت حال بدل چکی تھی۔ جس کی بنا پر پورے ملک میں یکا یک ہنگامے پھوٹ

پڑے اور انھوں نے ایک سنگین بغاوت کی صورت اختیار کرلی۔ انگریزوں کی سرپرستی میں ۱۹۲۸ء میں ایک ڈاکو، حبیب اللہ معروف بہ ''بچہ سقاؤ'' بغاوت میں کامیابی کی بناپر غازی موصوف کو ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اب افغانستان کے تخت پر انگریزوں کا کٹھ پتلی بچہ سقاؤ کی براجمان تھا، جس نے پورے نو ماہ تک اہل افغانستان کو بالعموم اور غازی موصوف کے حامیوں کو بالخصوص تکالیف میں مبتلا رکھا۔ جس کی بناپر ان کی زندگی اجیرن بنی رہی۔ زاہد چوہدری کے مطابق:

> ''۱۹۲۹ء میں نادر خان کو فرانس سے بلا کر اسے دہلی میں مہمان رکھا گیا اور اس کے لیے محمودی اور وزیری قبائل پر مشتمل فوج منظم کی گئی جس نے بچہ سقہ کو شکست دے کر پہلے تو کابل میں خوب لوٹ مار کر اور پھر نادر خان کو تخت پر بٹھا یا دیا۔ یہ نادر خان اسی سردار سلطان محمد خان کا پوتا تھا جس نے امیر دوست محمد خان سے غداری کر کے وادی پشاور رنجیت سنگھ کے حوالے کر دی تھی اور انعام کے طور پر کوہاٹ کے نزدیک ایک جاگیر حاصل کی تھی۔ نادر خان نے ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو ہندوستان سے اس لیے نہیں بلایا تھا کہ وہ کابل میں یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں ان سے مشورہ کرنا چاہتا تھا بلکہ اُس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ہندوستان کا تعاون حاصل کر کے اپنی مسند اقتدار کا تحفظ کرے جوان دنوں ڈانوں ڈول ہو رہی تھی۔ چنانچہ بعدازاں وہ اسی سال یعنی ۱۹۳۳ء کے اواخر میں اپنے ہی خاندان کے افراد کے ہاتھوں مارا گیا تھا''۔(۵)

چنانچہ وطن واپس جانے کے لیے جنرل نادر خان کا گذر جب لاہور ریلوے سٹیشن سے ہوا تو روزنامہ حریت ۲۷ فروری ۱۹۸۷ء کے مطابق مولانا ظفر علی خان کی قیادت لاہور کے مسلمانوں نے جنرل نادر خان سے یہ حلفیہ وعدہ لیا کہ وہ بچہ سقاؤ کو تخت سے ہٹا کر تخت وتاج امیر امان اللہ خان کے حوالے کر دے گا لیکن بچہ سقاؤ کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کے بعد جب جنرل نادر خان نے

اپنے سابق آقا و ولی نعمت غازی امان اللہ خان کو تاج و تخت سنبھالنے کی دعوت نہ دی اور اس طرح لاہور کے سرکردہ مسلمان صحافیوں سے کیے گئے حلفیہ وعدے سے روگردانی کی اور اسے نہ صرف پورا نہ کیا بلکہ سابق بادشاہ کے حامیوں کی بیخ کنی کرنے لگا یہاں صرف ایک مثال دینے پر ہی اکتفا کیا جارہا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں نے روزنامہ زمیندار لاہور بابت ۱۵ نومبر ۱۹۳۲ء کو لکھا:

"آج صبح سے ٹل کے بازاروں میں افواہ گرم ہے کہ نادر شاہ نے جنرل غلام نبی خان کو گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ جنہیں پچھلے دنوں نادر شاہ، بادشاہ افغانستان کے بھائی سردار شاہ ولی خان یورپ سے 'حفظ جان' کا یقین دلا کر اپنی ضمانت پر ساتھ لائے تھے۔ جنرل غلام نبی خان کے اسم گرامی سے کون واقف نہیں۔ آپ امیر شہید اور امیر عبدالرحمٰن خان خلد آشیانی کے شہرہ آفاق جرنیل غلام حیدر خان چرخی کے فرزند تھے۔ اس خاندان کو سارے افغانستان میں بہت اثر و رسوخ حاصل ہے۔ جرنیل غلام نبی خان بچہ سقہ کے ظہور کے وقت ماسکو میں اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خان کے سفیر کبیر تھے۔ اعلیٰ حضرت کے قندھار چلے آنے کے بعد انھوں نے مزار شریف کے علاقہ سے لشکر جمع کر کے کابل پر چڑھائی کی تھی۔ لیکن شاہ ولی خان کی فوج ان سے پہلے کابل پہنچ گئی۔ چونکہ نادر شاہ نے انھیں قاصد کے ذریعے یقین دلایا تھا کہ وہ عنقریب اعلیٰ حضرت کی معیت میں کابل آئیں گے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ نادر شاہ نے جرنیل موصوف کو شہید کرا کے افغانستان میں خوفناک خانہ جنگی کو دعوت دی ہے۔ کیونکہ افغانستان کے طول و عرض میں جرنیل غلام حیدر چرخی کا نام اب تک عزت و احترام اور محبت سے لیا جاتا ہے۔ اور قبایل میں اس خاندان کو بہت رسوخ حاصل ہے۔ جرنیل غلام نبی خان نے اب تک نادر شاہ کو بادشاہ تسلیم نہیں کیا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ سردار شاہ ولی خان کے ہمراہ ان کا آنا محض اس جائیداد کے تصفیے کے لیے تھا جسے نادر شاہ کی حکومت پچھلے سال ضبط کر چکی تھی" (۷)

حبیب اللہ المعروف بچہ سقاؤ کی غاصبانہ حکومت کے خاتمہ پر جب جنرل نادر خان نے اپنی استبدادی حکومت قائم کرنے کا اعلان کیا تو لاہور کے صحافی حضرات نے ایک میٹنگ کی۔ (واضح رہے کہ مولانا غلام رسول مہر اور مولانا عبدالمجید سالک نے اپنے اخبار ''روزنامہ انقلاب'' میں نادری حکومت کو تسلیم کرلیا تھا) اور جب یہ سوال مولانا ظفر علی خان سے کیا گیا تو اُن کا جواب تھا کہ یہ دوسرے ملک کا معاملہ ہے ہمیں اب اس میں زیادہ دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔ یوں مولانا میکشؔ نے اپنے ساتھیوں کی روش دیکھ کر ''روزنامہ انقلاب'' سے کنارہ کشی کرلی اور اپنے موقف پر ثابت قدم رہتے ہوئے نادری حکومت کی وعدہ خلافیوں کی خوب خبر لی اور تادیر غازی امان اللہ خان کی حمایت میں کھل کر لکھتے رہے۔

افغانستان میں غازی امان اللہ خان کی حکومت کا تختہ الٹ دیے جانے کے باعث ناموافق اور نامساعد حالات کی وجہ سے افغانستان کے سرداروں اور تعلیم یافتہ افراد کی ایک کثیر تعداد مختلف ملکوں مثلاً ہندوستان، ایران، ترکیہ جرمنی اور دیگر یورپی ملکوں میں مقیم ہوگئی۔ آقائے میکشؔ نے ان منتشر سرداروں اور تعلیم یافتہ افراد کے مابین سیاسی ہم آہنگی، ملی یک جہتی اور ربط وضبط پیدا کرنے کے لیے ہفت روزہ ''افغانستان'' فارسی زبان میں لاہور سے جاری کیا جو بہت جلد ہی عالمی شہرت کا حامل بن گیا۔

ہندوستان میں مقیم بعض افغان سردار آقائے میکشؔ کے جذبہ ملی اسلامی اور صحافیانہ عظمت سے آگاہ تھے۔ جس کی بنا پر وہ آقائے میکشؔ کی تحریروں کو بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ غازی امان اللہ خان کا جلاوطنی کے زمانے میں بھی آقائے میکشؔ سے برابر رابطہ رہا اور سابق بادشاہ آقائے میکشؔ کو خطوط ارسال فرمایا کرتے تھے۔ یہ باہمی ربط انگریز سرکار کو سخت ناپسند تھا اور انگریز سرکار ہر ممکن طریقے سے غازی امان اللہ خان کے خطوط کے حصول کے لیے کوشاں تھی۔ چنانچہ ایک پولیس سب انسپکٹر آغا رشید احمد خان کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ جس طرح ممکن ہو وہ آقائے میکشؔ سے غازی موصوف کے خطوط حاصل کرے لیکن پولیس افسر مذکور نے اپنی پوری کوشش کے باوجود مقصد میں ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ آقائے مرتضیٰ میکشؔ کا جواب یہ ہے کہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیا جائے تب بھی میں وہ خطوط انگریز سرکار کے حوالے نہیں

کر سکتا۔ آقائے میکش کی خودداری اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے انگریز سرکار کی طرف سے ان خطوط کی حوالگی کے بدلے مبلغ پچیس ہزار روپے کی خطیر رقم کی پیش کش بھی ٹھکرادی تو انگریز سرکار نے اس طرح خطوط کے حصول میں ناکامی کے بعد دوسرے حربے استعمال کرنے شروع کر دیے۔ چنانچہ انگریز سرکار خطوط کے حصول کے لیے قندھار کے گورنر سے مدد کی طلب گار ہوئی۔ گورنر مذکور کی ہمدردیاں پہلے ہی غازی امان اللہ خان کی بجائے جنرل نادر خان کے ساتھ تھیں۔ اس لیے وہ جلد ہی مدد کرنے پر آمادہ ہو گیا اور اپنے ایک پروردہ شخص آغا نور احمد افغان کے ذمے یہ کام لگایا۔ آغا نور احمد افغان ہم کیش، ہم وطن اور ہم زبان ہونے کے باعث جلد ہی آقائے میکش کا اعتماد حاصل میں کامیاب ہو گیا اور اس طرح وہ نہایت آسانی سے آقائے میکش کے ہفت روزہ (افغانستان) میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ رفتہ رفتہ نور احمد خان افغان پر اس قدر اعتماد کیا جانے لگا کہ دفتر کی چابیوں کے علاوہ آقائے میکش کے گھر کی چابی بھی اُس کے پاس ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ ناہنجار موقع پا کر غازی امان اللہ خان کے خطوط چرا کر افغانستان کی طرف فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ خان مذکور نے وہ خطوط جنرل نادر خان بادشاہ افغانستان کے حوالے کر دیے اور جنرل نادر خان نے یہ خطوط اپنی مربی و محسن انگریز سرکار کے سپرد کر دیے۔ انگریز سرکار نے یہ کہہ کر کہ آپ کے سبب سے ہمارے تعلقات ہمسایہ اور دوست ملک افغانستان سے خراب ہوئے ہیں آقائے میکش پر مقدمہ بنا دیا۔ اس مقدمے کی سماعت اس وقت کے ایک جج جناب جسٹس عبدالمجید صاحب کی عدالت میں ہوئی۔ جس کے فیصلے کے نتیجے میں نہ صرف آقائے میکش کا اخبار بحق سرکار ضبط کر لیا گیا بلکہ انھیں ایک سال کے لیے حوالہ زندان بھی کر دیا گیا اور یوں آپ نادر شاہی آرڈیننس کا شکار ہو گئے۔

آقائے میکش نے نادر شاہی کارستانیوں سے متاثر ہو کر ایک نہایت ہی زوددار اداریہ فارسی ہفت روزہ 'افغانستان' لاہور بابت ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۴۹ ہجری قمری بمطابق

بعنوان:

''حکومت موجودہ چرا مستعفی نمی شود'' لکھا۔ آقائے میکش کے اس اداریے کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے

''موجودہ حکومت استعفیٰ کیوں نہیں دیتی۔''

''خیانت و غداری، جھوٹے عہد و پیمان، مکروفریب، قرآن مجید پر جھوٹا حلف، جبر واستبداد، اہل وطن پر ظلم وستم، ریاکاری، عیاری مکاری مذہبی استحصال، اغیار پر تکیہ کرنا، نفاق انگیزی، رشوت ستانی، دین دار صالح اور آزمودہ کار افراد سے دوری اور نااہل افراد پر انحصار کرنا اس نوع کے سیکڑوں عنوان ایسے ہیں جو دہشت آور اور حیرت انگیز ہیں کہ افغانستان کی موجودہ حکومت نہ صرف عام افغانوں بلکہ دنیا بھر کی نظروں میں متہم ہو کر رہ گئی ہے۔ موجودہ حکومت کے عہدیداروں کے ہاتھوں ملک وقوم کے شرف و بزرگی وطن کی عزت ووقار اور ملت نجیب افغان کے موروثی فخر وناز کو خاک میں ملا دیا ہے اور موجودہ حکومت ملت اور افراد ملت کے نزدیک اپنا اعتماد کھو چکی ہے۔ کارآزمودہ بااثر ونفوذ اور صائب رائے کے حامل افراد سے تعاون و دوستی کا ہاتھ جھٹک کر غیروں کے اغراض پر مبنی مشوروں پر انحصار کیا ہے۔ ملت افغان نادر شاہی حکومت کے زمانے میں سراسر پیکر فریاد وشیون ہے۔ جہالت، وحشت رسوائی و بدنامی کی صورت حال یہ سب خرابیاں خیانت کاروں کے سردار بچہ سقہ کی سرکردگی میں اس مملکت اور افغانستان میں رونما ہوئی ہیں اور آج بھی یہ صورتحال اپنی تمام تر خرابیوں کے ساتھ برقرار اور قائم ودائم ہے۔ مذکورہ بالا کہے گئے فقرات کسی وضاحت کے محتاج نہیں کیونکہ کوئی چیز مخفی نہیں رہی۔ وہ نقشہ جو موجودہ حکومت افغانستان نے ہر طرح کے مکروفریب اور ریاکاری سے پھیلایا تھا وہ آج ساری مخلوق خدا پر واضح طور پر آشکار ہے۔ ملک وملت کی اس افسوسناک اور رسواکن حالت پر ہر چھوٹے بڑے ادنیٰ و اعلیٰ افغان کی آنکھ اشک بار ہے۔ ہر مسلمان کا دل حسرت ومحرومی کی آگ سے جل رہا ہے۔ پتھر شق ہو جاتے ہیں۔ پہاڑ پگھل جاتے ہین لیکن موجودہ حکومت کے عہدیداروں کے دل ایسے ہیں جو ایسی صورت حال سے متاثر نہیں ہو رہے اور اس صورت حال سے کسی قسم کا اثر قبول نہیں کر رہے۔ حکومت کا کام اصلاح کی منزل سے گزر چکا ہے اور بدبختی سے ہم موجودہ حکومت کو اصلاح کی طرف مائل نہیں دیکھ رہے۔ کیا موجودہ حکومت کے عہدیدار اس بات کے خواہاں ہیں کہ دفعہ پھر معاشرے کو دہشت آور انقلاب کے سیلاب میں دھکیل دیں اور از سر نو ملت کے گھروں کو جلانے خانہ

جنگی اور برادر کشی میں مبتلا کر دینا چاہتے ہیں۔ ملت افغان نے فی الحال صرف حکومت سے دوستی کا ہاتھ کھینچا ہے۔ اور اس انتظار میں ہے کہ عہدیدار اس بات کو سمجھ جائیں اور ملت کی دلی آرزوں کا احترام کرتے ہوئے حکومت سے کنارہ کشی کر لیں۔ پس حکومت کیوں بدنامی کے داغ کو اپنی پیشانی پر سجانے کی خواہش مند ہے کہ ناشروع طور پر طاقت کے زور پر ملت افغان پر مسلط رہے۔ کیا اس کا مدعا یہ ہے کہ سرزمین مقدس افغانستان اور ملت نجیب و اصیل افغان ہمیشہ کے لیے عدم میں چلی جائے اور دنیا کی تاریخ میں اس کار شریفہ کی نیک نامی بنام نادر شاہ افغان لکھی جائے)(۸)

آقائے میکش جب جیل سے باہر آئے تو مولانا ظفر علی خاں انھیں اپنے اخبار ''(زمیندار) میں لے گئے اور وہاں انھوں نے بطور انچارج ایڈیٹر کے کام کرنا شروع کر دیا۔ لیکن زمانے کی ناقدری، انگریز سرکار کی بدظنی، دباؤ کے لیے مختلف حربوں کا استعمال، طبیعت کی خودداری اور بے زری نیز مخالفوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باعث زمیندار کو بھی الوداع کہنا پڑا اور آپ نے مشہور تاجر ملک نور الٰہی کے ساتھ مل کر ایک نئے روزنامے کا اجرا کیا اور یہ نیا روزنامہ ''احسان'' کے نام سے ۱۱ اگست ۱۹۳۴ء کو منظر عام پر آیا۔ اس سلسلے میں آپ کے احباب و رفقا میں چراغ حسن حسرت، حاجی لق لق اور محمد اشرف خان عطا کے نام نامی زیادہ نمایاں ہیں۔ یہ روزنامہ بجا طور پر مسلم لیگ کا اولین ترجمان کہلانے کا حقدار ہے ہے کیونکہ اس کی ٹیلی پرنٹر سروس کا افتتاح بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح نے کیا تھا۔ جہاں پہلی دفعہ آقائے میکش کی قائداعظم سے ملاقات ہوئی تھی۔

آقائے میکش نے اس اخبار کا مدیر اعلیٰ ہونے کی وجہ سے تحریک پاکستان کی آبیاری میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے اپنا پورا زور قلم صرف کر دیا۔ اور ہر کس و ناکس سے اپنی علمی صلاحیتوں کا اعتراف کرایا۔ اور ''احسان'' کے ذریعے تحریک پاکستان کے لیے برجستہ خدمات سرانجام دینے کے علاوہ آقائے میکش مسلم لیگ پارٹی کے ہفتہ وار مجلّہ ''پاکستان'' کے ایڈیٹر انچارج کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ صحافی ہونے کے ناطے یہ منفرد اعزاز صرف میکش کو ہی مل سکا۔ روزنامہ ''احسان'' کے بعد روزنامہ ''شہباز'' جاری ہوا۔ جس میں آقائے میکش نے ہمیشہ شاہباز کا کردار ادا کیا اور اپنی سحر

انگیز تحریروں کے باعث لوگوں کے دل موہ لیے۔آپ نے روزنامہ ''شہباز'' کے مضامین اور اداریوں میں جدتیں پیدا کیں۔ جسے ہر کسی نے سراہا اور آخر کار دوسرے معاصر اخبارات کے لیے شہباز'' کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہ رہا اور انھیں مجبوراً ''شہباز'' کی پیروی کرنی پڑی۔ ملت اسلامیہ کے حقوق و مفاد کی نگہبانی اور ترجمانی کا حق جو''شہباز'' نے ادا کیا وہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ روزنامہ ''شہباز'' کے سید امجد علی شاہ کی ملکیت سے نواب خضر حیات ٹوانہ کی ملکیت میں چلے جانے پر آقائے میکش نے ''شہباز'' کی ایڈیٹری سے استعفیٰ دے دیا اور تحریک آزادی کے اس ہنگامہ خیز دور میں جب برسر اقتدار حکمران پارٹی نے آپ کو اپنی حمایت کے لیے مائل کرنا چاہا تو میکش نے اپنی خودداری کا سودا کرنے سے انکار کرتے ہوئے بے زری اور غریبی میں نام پیدا کرتے ہوئے اس دور کے متحدہ پنجاب کے وزیر اعظم ملک خضر حیات ٹوانہ سے کہا ''مرتضیٰ احمد خاں میکش روپے پیسے کا حریص نہیں ہے وہ اپنے ضمیر کو ملک صاحب کی یونینیسٹ پارٹی کے پراپیگنڈے کے لیے نہ بیچ سکے گا۔

آغا شورش کاشمیری اپنی کتاب (نورتن) میں آقائے میکش کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''فارسی ان کے گھر کی لونڈی ہے۔ اُردو خوب لکھتے ہیں لیکن لکھنوی دہلوی یا لاہوری کسی اسلوب کے پیرو نہیں۔ ان کا اپنا اسلوب ہے۔ زبان گنجلک تو نہیں ادق ہوتی ہے۔ انگریزی کے ہر لفظ کو مشرف بہ اسلام کر لیتے ہیں۔ الفاظ کو مفرس یا معرب کرنے میں انہیں ید طولیٰ حاصل ہے۔ مثلاً اسٹیشن لکھا ہو تو استاسیون لکھیں گے''

آگے چل کر آغا صاحب مزید لکھتے ہیں:

> ''ریاض خیر آبادی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ خمریات کے شاعر تھے لیکن خمریات کے مزاج دان نہیں تھے۔ انھوں نے عمر بھر شراب کا ایک قطرہ نہ چکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں شراب کا ذکر ہے۔ شراب کا سرور نہیں۔ مرتضیٰ احمد بھی تخلص ہی کے گنہگار تھے۔ خدا معلوم کس نسبت یا رعایت سے انھوں نے اپنا تخلص میکش کیا۔

میکدہ دیکھا نہ پیالہ اٹھایا۔ اُن کی شاعری میں تو پیمانہ و سبو کا بھی ذکر نہیں۔''

میکشؔ کا ایک شعر ہے:

شیشہ و ساغر کو بھی پگھلا کے پی جاتا ہے وہ اس بلانوشی پہ میکشؔ پارسا کیوں کر ہوا جو لوگ مے نوشی کا ذوق رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ریاض خیر آبادی کی شاعری کی طرح اس شعر میں بھی شراب کا، ذکر ہے۔ شراب کا مزہ نہیں۔ آقائے میکشؔ کو گرفتار کرنے والے سب انسپکٹر آغاز رشید احمد خان کا انٹرویو بھی آغا شورش کاشمیری نے ہی کیا تھا۔ جس کا تذکرہ انکی کتاب (نورتن) میں کیا گیا ہے۔(۹)

تحریک پاکستان کے سلسلے میں آقائے میکشؔ کی نمایاں خدمات کا تذکرہ شریف الدین پیرزادہ کی کتاب ''پاکستان منزل بہ منزل'' چوہدری محمد علی کی کتاب ''ظہور پاکستان'' کے۔ کے عزیز کی کتاب ''A History of the Idea of Pakistan'' کے علاوہ تحریک پاکستان پر لکھی گئی بیشتر کتب میں آپ کی خدمات کا ذکر پایا جاتا ہے۔

پاکستان بننے پر آقائے میکشؔ متعدد روزناموں میں نمایاں اور برجستہ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ جن میں ''مغربی پاکستان'' اور ''نوائے پاکستان'' زیادہ نمایاں ہیں۔ آقائے میکشؔ اتحاد بین المسلمین کے زبردست حامی تھے اور اس اتحاد کی خاطر انھوں نے اپنا پورا زورِ قلم صرف کیا۔

منیر انکوائری کمیشن رپورٹ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے وکیل کی حیثیت سے آقائے میکشؔ کی قابلیت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ آقائے میکشؔ ہی وہ شخص ہیں جنھوں نے سب سے پہلے منیر انکوائری رپورٹ کا تجزیہ کیا جو کئی اقساط میں روزنامہ ''نوائے پاکستان'' میں شائع ہوا۔ بعد ازاں محاسبے کے نام سے کتابچہ کی صورت میں منظر عام پر آیا۔ کہا جاتا ہے کہ کمیشن کے جج صاحبان نے آقائے میکشؔ کے اسلوب نگارش کی تعریف کی تجزیے میں ان کا انداز متوازن رہا ہے۔ کمیشن کے سربراہ چیف جسٹس جناب جسٹس منیر نے آپ سے سوال کیا:

''آپ مولانا ہیں، پھر میکشؔ تخلص کیوں رکھتے ہیں؟''۔ آپ نے جواب دیا: ''مے عرفان

کی رعایت سے'' آپ نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ جن میں ''دودول''، الہامی افسانے''، ''اخراج اسلام از ہند''، ''سیرت سید المرسلینؐ''، ''تاریخ اسلام'' (چار جلدیں)، ''تاریخ اقوام عالم'' (دو جلدیں)، ''البرز شکن گرز عرف میرزائی نامہ''، ''اسلام اور معاشی اصلاحات''، وغیرہ زیادہ نمایاں ہیں۔

۱۹۵۷ء میں آقائے میکش کے بڑے صاحبزادے سرفراز جبرئیلی حصول ملازمت کے سلسلے میں جب روالپنڈی گئے تو وہاں ان کا قیام آقائے میکش کو گرفتار کرنے والے آغا رشید احمد خان سب انسپکٹر کے ہاں رہا۔ انسپکٹر موصوف نے جبرئیلی کو ہدایت کی کہ وہ اپنے باپ کی پروا کیے بغیر آغا نور احمد افغان کو گھر میں داخل نہ ہونے دیا کرے لیکن آقائے میکش کی حیات تک آغا نور احمد افغان کا ان کے ہاں آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا۔ میکش ۲۷ جولائی ۱۹۵۹ء کو اس جہان فانی سے جہان باقی کی طرف رحلت کر گئے۔

☆☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

(۱) سبط حسن رضوی، سید دکتر: "فارسی گویان پاکستان: گرامی تا عرفانی" (جلد اول) راولپنڈی: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، طبع اول ۱۳۹۳ھ ق / ۱۹۷۳ء ص ۳۱۱

(۲) عزیز کے۔ کے: " A History of the Idea of Pakistan"
لاہور: Vanguard، طبع اول ۱۹۸۷ء ص ۱۶۷

(۳) علامہ اقبال گوئٹے کے جواب میں لکھی جانے والی اپنی معروف تصنیف "پیام مشرق" کا آغاز اس بادشاہ (غازی امان اللہ خان) کے نام سے یوں کرتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشکش بحضور اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان فرمانروائی دولت مستقلہ افغانستان خلد اللہ ملکہ، و اجلالہ،

یہ پیشکش ۱۸۱ اشعار پر محیط ہے جب کہ اس کا آغاز اس شعر سے ہو رہا ہے:

اے امیر کامگار اے شہریار
نوجوان و مثل پیران پختہ کار

اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور (تو میائے جانے کے بعد گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور) کی موجودہ عمارت کا سنگ بنیاد غازی امان اللہ خان کے والد گرامی جناب حبیب اللہ خان والئی افغانستان نے رکھا تھا جیسا کہ کتبہ سے واضح ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بفضلہٖ تعالٰی بنائے این بیت العلوم انجمن حمایت اسلام لاہور۔

اعلیٰ حضرت رفیع مرتبت قوی شوکت سراج الملت والدین امیر سر حبیب اللہ خان جی سی بی۔ جی سی ایم جی۔ فرمانوائے دولت خداداد افغانستان و ملحقات آن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ، بدست مبارک خود نہادند۔

شہر محرم الحرام ۱۳۲۵ھ ہجری فروری ۱۹۰۷ء

گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کا "حبیبہ ہال" اسی بادشاہ سے منسوب ہے۔

(۴) برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے مسلم سیاسی، مذہبی اور فوجی عمائدین کی درخواست پر احمد شاہ ابدالی

درانی برصغیر پر حملہ آور ہوا اور ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے تاریخی میدان میں ایک طویل اور خونریز جنگ کے نتیجے میں مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی اور ایک مختصر سے عرصے کے لیے (۹ سال کے لیے) دہلی مرہٹوں کی دستبرد سے بچ گئی۔ نواب نجیب الدولہ کی وفات ۱۷۷۰ء کے بعد مرہٹے پھر دہلی پر آچڑھے اور نواب نجیب الدولہ کے بیٹے نواب ضابطہ خان کو نہ صرف دہلی سے بھگا دیا بلکہ شاہی فوجوں او ر مرہٹوں نے مل کر نواب مذکور کے آبائی گھر پر حملہ کر دیا نواب نجیب الدولہ کے گھر کو لوٹا گیا خاندان کی تذلیل ہوتے غلام قادر نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جس پر اس نے موقع ملنے پر نہ صرف شاہی خاندان کی تذلیل کی بلکہ نہایت ظلم کے ساتھ شاہ عالم بادشاہ کی آنکھیں بھی نکلوا دیں۔ اور خود بھی مرہٹوں کے ہاتھوں ظالمانہ طریق سے مارا گیا۔

پانی پت کی لڑائی میں برصغیر کے مسلمانوں نے پہلی مرتبہ اپنے اتحاد و یک جہتی کا ثبوت دیتے ہوئے اس دور کے ایک سربرآوردہ جرنیل اور افغانستان کے بادشاہ کی قیادت میں لڑی تو فتح ان کا مقدر بنی۔ اس ہندوستانی اور افغانی متحدہ لشکر کے قائدین نے بالغ نظری سے کام نہ لیتے ہوئے اس متحدہ لشکر کو صرف مرہٹوں کے تعاقب تک ہی محدود رکھا۔ یہ لیڈران کرام اگر وسعت نظر سے کام لیتے اور اس لشکر کے قائد اور افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی کو بنگال کے مسلمانوں کو آزاد کرانے کے لیے وہاں بھی لے چلتے تو وہاں کے مسلمان بھی آزاد فضا میں سانس لے سکتے جنہیں ابھی غلام ہوئے زیادہ عرصے نہیں ہوا تھا اور ہندوستان میں انگریزی قدم پوری طرح جمنے نہیں پائے تھے۔ ۱۷۵۷ء میں سازشوں کے سبب نواب سراج الدولہ کو شکست ہوئی اور انگریز فاتح بن کر بنگال پر قابض ہوئے۔ اُس وقت تک یعنی ۱۷۶۱ء تک انگریزی قوت و طاقت ایسی نہیں تھی جو اس متحدہ لشکر سے عہدہ برا ہو سکتی اُس وقت ۱۷۶۱ء میں ہندوستان کے مسلم اکابرین اور احمد شاہ ابدالی کے متحدہ لشکر کے انگریزوں کے خلاف اقدام نہ کرنے کا نتیجہ جلد ہی سامنے آ گیا کہ اس لڑائی کے تین سال بعد ۱۷۶۴ء میں ''بکسر'' کی جنگ ہوئی جو جنگ تو مختصر تھی لیکن اپنے نتائج کے لحاظ سے بڑی ہولناک ثابت ہوئی۔ اس جنگ میں انگریزوں کے ہاتھوں نہ صرف میر قاسم نواب بنگال، نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ پٹ گئے بلکہ شہنشاہ ہندوستان شاہ عالم بادشاہ بھی شکست سے دوچار ہوئے۔ ۱۷۶۵ء میں ہونے والے معاہدے میں جو نواب اودھ سے ہوا۔ اس کے بارے میں ''کمپنی کی حکومت'' از باری علیگ کے ص ۵۷ پر یوں رقم ہے:

''اس (کلایو) نے اگست ۱۷۶۵ء میں الہ آباد کا معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کی رو سے نواب وزیر اودھ کو ''کڑا''، الہ آباد، ''چنار''، بنارس'' اور غازی پور'' کی زمینداری کے علاوہ اس علاقہ پر نواب بنا دیا گیا۔ نواب وزیر نے پندرہ لاکھ روپیہ بطور تاوان جنگ ادا کرنے پر بھی رضامندی ظاہر کی۔ اس نے کمپنی سے ایک دفاعی معاہدہ کیا جس کی رو سے ''کمپنی'' نے اس کے حدود کی حفاظت کی ذمہ داری لی۔

نواب نے فوج کے اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ کیا۔ نواب وزیر اس بات پر بھی رضا مند ہو گیا کہ انگریز بغیر ڈیوٹی ادا کیے اس کے علاقہ میں تجارت کر سکتے ہیں۔
مندرجہ معاہدہ کی رو سے اودھ ایک پٹھو حکومت بن گئی۔"
چند سطریں بعد یہی مصنف اسی کتاب کے اسی صفحہ پر مزید لکھتا ہے۔
"لارڈ کلایو نے شاہ عالم سے بھی معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کے مطابق بادشاہ کو "کڑا" اور "الہ آباد" کے اضلاع سپرد کر دیے گئے جو نواب اودھ سے انگریزوں نے لے لیے تھے۔ کمپنی نے شاہ عالم کو چھبیس لاکھ روپے سالانہ بطور خراج دینا منظور کیا اور اس کے بدلے میں شہنشاہ نے بنگال (بنگال بہار، اڑیسہ) کی دیوانی کمپنی کے حوالے کر دی"۔
۱۷۷۰ء میں نواب نجیب اللہ الدولہ کے وفات پانے پر مرہٹے پھر شمالی ہند پہنچ گئے اور اس علاقے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ شاہ عالم بادشاہ بھی الہ آباد سے کوچ کر کے دلی پہنچ گئے۔ مرہٹے بادشاہ کے نام پر حکومت چلانے لگے اور بادشاہ کے اور اس کے خاندان کے اخراجات کے لیے منشی امیر احمد علوی کی کتاب بہادر شاہ ظفر" کے صفحہ ۳۷ کے مطابق مبلغ ۸۸،۵۰۰" اٹھاسی ہزار پانچ سو روپے مقرر کر دیے انگریزوں نے جب یہ دیکھا کہ بادشاہ (شاہ عالم بادشاہ) مرہٹوں کے قول و قرار پر اعتماد کر کے ہمارے ہاتھ سے نکل کر ان (مرہٹوں) کے پاس دلی پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے جو کیا وہ کمپنی کی حکومت از باری علیگ ص ۶۴ پر رقم ہے "چونکہ مغل شہنشاہ شاہ عالم کمپنی کی زیر سرپرستی نہ رہا تھا، اس لیے وارن ہسٹنگز نے اس کو چھبیس لاکھ روپیہ سالانہ دینا بند کر دیا۔ اس نے الہ آباد اور کڑا کے علاقے مغل شہنشاہ سے چھین کر نواب وزیر اودھ کو پچاس لاکھ کے عوض دے دیے"۔
مغل شہنشاہ شاہ عالم کی زندگی میں سندھیا کے یورپی افسروں کے انگریزوں کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے ۱۸۰۳ء میں مرہٹوں کو انگریزوں سے شکست ہوئی۔ لیکن انگریزوں نے شمالی ہند خصوصاً دہلی والوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بادشاہت کو قائم رکھا اور بادشاہ اور کے خاندان کے اخراجات کے لیے مبلغ اٹھاسی ہزار پانچ سو مقرر کر دیے۔ جبکہ محرم، عیدین، نوروز اور دوسرے تہواروں کے اخراجات کے لیے مبلغ دس ہزار سالانہ علاوہ رقم معین کے پیش کیا جاتا تھا"۔ نیز جمنا کے داہنے پر جو محالات ہیں ان کی آمدنی شاہ عالم کے لیے نامزد ہے اب مرہٹوں کی جگہ انگریز مغل بادشاہ کے نام پر حکومت کرنے لگے اور دہلی میں انگریز ریزیڈنٹ رہنے لگا۔
۱۸۰۶ شاہ عالم بادشاہ کے انتقال کر جانے پر اُس کا بیٹا اکبر شاہ ثانی کے نام سے تخت نشین ہوتا ہے۔ انگریز طاقتور ہوتے جاتے ہیں اور مغل بادشاہ کمزور۔ اس بادشاہ (اکبر شاہ ثانی) کے عہد میں قید طویل یا قصاص کے احکام پر بادشاہ کی منظوری لینے کی رسم بھی موقوف کر دی گئی۔ بادشاہ کے نام کی عزت کو

بے وقعت کرنے کی غرض سے انگریزوں کے اکسانے پر ان کے ایک پٹھو غازی الدین حیدر نے بادشاہ بننے کا اعلان کر دیا۔
۱۸۳۲ء میں دلی صوبہ مغربی و شمالی میں شامل ہوئی اور اس اشتباہ کی گنجائش باقی نہ رہی کہ قدیم دارالسلطنت پر ہنوز بادشاہ کی ملکیت برقرار ہے۔ ۱۸۳۵ء میں فارسی زبان کی سرکاری حیثیت ختم کر دی گئی اور انگریزی زبان کا اجرا کیا گیا۔ اسی سال سکہ ''کمپنی بہادر'' کا رائج ہو گیا اور مغل بادشاہ کا نام خارج کر دیا گیا۔ بادشاہی اور اس کے اصل لوازم تو شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں ہی جاتے رہے تھے البتہ بادشاہ کی عزت و احترام بہر حال بحال تھا۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں طاقتور انگریزوں نے اپنے کمزور حریف مغل بادشاہ پر ہر طرح سے ضرب کاری لگائی۔ یہاں تک کہ وہ ہندوستان میں نام کی حد تک ہی سہی اکیلا بادشاہ بھی نہ رہا۔ ۱۸۳۷ء میں اکبر شاہ ثانی کے انتقال کر جانے پر اس کا بڑا بیٹا ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی کے نام سے تخت نشین ہوا۔ بیس سال تک یہ برائے نام بادشاہ شعر و سخن سے دل بہلاتا رہا۔ ۱۸۵۷ء میں اہل ہند نے اپنی آزادی کے لیے جنگ لڑی جس میں اہل ہند نے مغل بادشاہ کو اپنا بادشاہ بنایا اور اس کے نام پر انگریزوں سے لڑے۔ اس جنگ میں وسائل کی کمی، باہمی حسد و نفاق اور سازشوں کے نتیجے میں اہل ہندوستان کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ انگریز فاتحین کے ہاتھوں اہل ہندوستان کے ساتھ بالعموم اور بادشاہ اور اس کے خاندان کے ساتھ جو گزری اس سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں اس لیے ان کا اعادہ کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔

(۵) زاہد چوہدری: مسلم پنجاب کا سیاسی ارتقاء مشمولہ: ''پاکستان کی سیاسی تاریخ'' جلد پنجم، لاہور: ادارہ مطالعہ تاریخ، طبع اول: ۱۹۹۱ء ص ۲۷۴

(۶) روزنامہ حریت ۲۷ فروری ۱۹۸۷ جمعہ ایڈیشن صفحہ ۶

(۷) زمیندار: لاہور: ۱۵ رجب المرجب ۱۳۵۱ ہجری بمطابق نومبر ۱۹۳۲ء

(۸) ہفت روزہ ''افغانستان'' (فارسی) مورخہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ ق بمطابق ۱۹۳۰ء بعنوان: ''حکومت چرا مستعفی نمی شود''

(۹) شورش کاشمیری: ''نورتن'' (لاہور کے نوصحافیوں کا اجمالی تذکرہ)، لاہور: الفیصل طبع دوم: ۱۹۹۸ء بہ عنوان: مرتضیٰ احمد میکش ص ص ۹۱،۹۶

ISSN 1991- 699X

Majallah-e-TAHQIQ

Quarterly Research Journal of the Faculty of Oriental Learning

Volume 36, Serial No. 98, January to March 2015

Editor:
Prof. Dr. Ismat Ullah Zahid

Faculty of Oriental Learning
University of the Punjab
Lahore. Pakistan